تک آزادی ہے، اس پر عمل کیجئے اور جو رکاوٹ ہے اسے دور کرنے کی کوشش کیجئے۔

پرسنل لا پر عمل شریعت کا حکم بھی ہے اور ہمارا دستوری حق بھی۔ یہاں کے دستور نے سب ہی مذاہب کے ماننے والوں اور تہذیبی گروہوں کو اپنے پرسنل لا اور سماجی قوانین پر عمل کی اجازت دی ہے۔ پرسنل لا پر حملہ ہوتا ہے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کی بات ہوتی ہے تو امت اس کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے۔ لیکن سوچیے، کیا ہمارے ہاں خواتین کے ساتھ زیادتی نہیں ہو رہی ہے؟ کیا ان کے حقوق ادا ہو رہے ہیں؟ میاں بیوی میں نزاع ہو تو کیا ہم شریعت کے حکم کے مطابق اسے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ کیا نان ونفقہ، طلاق اور خلع کے احکام پر ٹھیک احکام شریعت کی اتباع کی جا رہی ہے؟ قرآن نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ یہاں تک کہا کہ انہیں اف تک نہ کہو اور ان کے ساتھ ادب واحترام کا رویہ اختیار کرو۔ کیا ہمارا رویہ ان کے ساتھ یہی ہے؟ کیا ہم رشتہ داروں کے حقوق ادا کر رہے ہیں؟ کیا ہمارے درمیان وراثت اسلامی تعلیم کے مطابق تقسیم ہو رہی ہے؟ کیا دنیا یہ نہیں کہے گی کہ جس پرسنل لا کا علم تھامے ہوئے ہو اور جس کی حفاظت کے لیے جان کی بازی تک لگا دینا چاہتے ہو، اس پر خود کیوں نہیں عمل کر رہے ہو؟ کوئی سوال کرے یا نہ کرے، اللہ تعالیٰ ضرور پوچھے گا کہ اتنا بڑا مقدمہ لے کر چل رہے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کر رہے تھے؟

اگر پرسنل لا پر صحیح معنی میں عمل ہو تو وہ سارے اعتراضات ازخود ختم ہو جائیں گے جو اس پر کیے جاتے ہیں، بلکہ دنیا اس کی خوبیوں کے اعتراف پر مجبور ہو گی اور اسے خود ہی اختیار کرنے لگے گی۔

اگر آپ اسلام پر عمل کریں تو خود بخود اسلام کا تعارف ہوگا، اس کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہ دور ہوں گی اور اس کی صحیح تصویر سامنے آئے گی۔ ہمارے مسائل کا حل ہی اسلام کو اپنانے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں ہے۔ اسلام طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اگر ہم نے اسلام کا دامن تھام لیا تو اپنی بے سروسامانی کے باوجود ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور ہم دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخ رو بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی توفیق سے نوازے۔

☆☆☆

تحقیق وتنقید

عقیدۂ اعجازِ قرآن کی تاریخ

[پروفیسر عبدالعلیم کے خیالات کا جائزہ]

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

پروفیسر عبدالعلیم (۱۹۰۷ء-۱۹۷۶ء) کی شخصیت گو کہ علمی اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے، لیکن اپنی ترقی پسندی اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی وائس چانسلر شپ کی وجہ سے محتاجِ تعارف بھی نہیں۔ آپ کی مختصر علمی خدمات کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کی توجہات مستقل تحقیق وتنقید پر مرکوز رہتیں تو بہت سی علمی مہمات سر کر سکتے تھے، عربی زبان وادب ، قرآنیات اور اردو ادبیات سے متعلق آپ کی نگارشات قابلِ ستائش ہیں۔ یہاں آپ کی مشہور کتاب 'عقیدۂ اعجازِ قران کی تاریخ' کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہ کتاب دراصل جرمن زبان میں آپ کے پی ایچ ڈی مقالہ کا خلاصہ ہے، جس پر بون یونی ورسٹی نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی تھی۔ یہ خلاصہ 'اردو اکادمی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی' میں ارکانِ اکادمی کے حضور پیش کیا گیا، جسے اکادمی ہی نے نومبر ۱۹۳۲ء میں شائع کیا۔ اس کتابچہ پر سید عابد حسین (۱۸۹۶-۱۹۷۸ء) کا دیباچہ ہے، جس میں مقالہ کے متعلق نہایت مناسب بات کہی گئی ہے کہ "مقالہ نگار نے عقیدۂ اعجاز قران پر بحث کرتے ہوئے صرف تحقیقی نتائج پیش کیے ہیں، اس میں ذاتی عقیدے کی جھلک نہیں پائی جاتی۔" [۱] یہ حقیقت ہے کہ اس مقالے سے قرآن مجید کی حقانیت سامنے آتی ہے کہ یہ کتابِ الٰہی ہے اور سرورِ کائنات ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ مختلف حوالوں سے اس دعویٰ کو مستند کیا گیا

ہے۔ مثلاً باقلانی کی رائے ہے کہ ''قرآن کی تمام باریکیوں کو سمجھنا اور اس کی تمام خوبیوں کو بیان کرنا بشر کے امکان میں نہیں ہے''۔ ۲؎

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

''یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ نبوت کے دعویٰ کو رد کرنے کی آسان ترین صورت یہی تھی کہ دوسرے لوگ قرآن کے مثل کلام پیش کرتے اور یوں ثابت کر دیتے کہ قرآن معجزہ نہیں ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عرب تمام دوسری صورتیں اختیار کرتے ہیں، مگر یہی نہیں کرتے۔ وہ جنگ کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور یوں ہر قسم کے مصائب برداشت کرتے ہیں۔ اگر واقعی قرآن کا جواب ان کے بس کی بات ہوتی تو کیا یہ قرین قیاس نہ تھا کہ وہ تمام مصائب پر اس کو ترجیح دیتے۔ ایسی صورت میں بجز اس کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ باوجود صاحبانِ فصاحت وبلاغت ہونے کے قرآن کا جواب ان کے بس میں نہ تھا''۔ ۳؎

قرآن کریم کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے، اس میں ایسی انفرادیت اور ایسا اعجاز نظر آتا ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے درماندہ ہے۔ پروفیسر عبدالعلیم نے ابتدا ہی میں متعدد آیات نقل کر کے ثابت کر دیا ہے کہ بہت سے گمانِ باطل کے حاملین نے قرآن کریم کے معیار کی کتاب اور اسی کے بالمقابل زبان و بیان پیش کرنے کی کوششِ بسیار کی، لیکن رائگاں گئی۔ ایک جگہ قرآن کریم سے متعلق علی بن ربن کے احساسات کو یوں نقل کیا ہے:

''جب میں نصرانی تھا تو میرا اور میرے ایک چچا کا، جو صاحبِ فصاحت وبلاغت تھے، یہ خیال تھا کہ بلاغت نبوت کی نشانی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ وہ تمام قوموں میں مشترک ہے، لیکن جب میں نے تقلید کو چھوڑ کر اور عادت اور تربیت کے اثرات کو خیرباد کہہ کر قرآن کے معانی پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ قرآن کا وہی درجہ ہے جو اس کے ماننے والے کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے کسی زمانے کی کوئی کتاب، خواہ وہ عربی میں ہو یا عجمی، ہندی میں ہو یا رومی، ایسی نہیں دیکھی جس میں توحید و تہلیل، خدا کی ثنا اور انبیاء و رسل کی

تصدیق، نہ مٹنے والے اعمال صالحہ کی ترغیب، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جنت کا شوق اور دوزخ کا ڈر اس طرح جمع ہوں جس طرح قرآن میں ہیں۔ تو اگر کوئی ایسی کتاب پیش کرے جس میں یہ صفات ہوں اور جس کے لیے قلوب میں ایسی عظمت اور حلاوت ہو اور جس نے کتاب نہ سیکھی ہو اور نہ بلاغت تو بلاشبہ وہ کتاب اس شخص کی نشانی ہے''۔ ۴؎

اس کتاب میں بہت سے ایسے اقتباسات اور دلائل ہیں جن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم ایک الہامی کتاب ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی نبوت وصداقت پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں تمام خیالات قدیم محققین ومفسرین کے نقل کیے گئے ہیں، مصنف نے اپنی جانب سے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔

اس کتاب میں گولڈزیہر کے حوالے سے بتایا گیا کہ ''عرب میں فنِ کتابت تقریباً معدوم تھا''۔ ۵؎ اسے اگر یوں کہا جاتا کہ فنِ کتابت عربوں میں عام نہیں تھا تو زیادہ مناسب تھا، کیوں کہ مختلف حوالوں کی روشنی میں یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عربوں کے یہاں فنِ کتابت موجود تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کریم میں کتاب، صحیفہ، قرطاس اور قلم جیسے الفاظ کا ذکر نہ ہوتا، گویا یہ ادواتِ کتاب ان کے یہاں معروف تھے۔ اس حوالے سے سہ ماہی 'فکر ونظر' اسلام آباد کے ایک علمی مقالے کا ذکر مناسب ہوگا، جس کا موضوع تھا 'دورِ جاہلیت کے کتب خانے'۔ اس میں ان کتب خانوں کا تعارف پیش کیا گیا تھا جو نبوت سے قبل عیسائی اہلِ علم کے گھروں میں موجود تھے۔ ۶؎ دوسرے، کاتبینِ وحی کے تعلق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انھیں نزولِ وحی سے قبل لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنے اسلاف سے یہ فن سیکھا ہوگا۔ اس نظریے کی تائید میں علامہ عبداللطیف رحمانیؒ نے متعدد ثبوت پیش کیے ہیں کہ ادواتِ کتابت، فنِ کتابت اور کاتبین نزولِ قرآن سے قبل موجود تھے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں کتاب، قلم، صحف قرطاس اور خطوط کا ذکر متعدد بار آیا ہے، اس لیے دورِ جاہلیت میں فنِ کتابت کا عدم وجود ہونا ناممکن ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی پائے ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ جاہلی شعراء کے قصائد اور بعض معاہدات مرقومہ صورت میں دیوارِ کعبہ پر لٹکائے گئے تھے۔ ان سب شہادتوں کے باوجود فن کتابت کا انکار چہ معنی دارد۔ اس لیے گولڈزیہر کے اس خیال سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ جرجی زیدان نے اپنی کتاب 'تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ' میں وضاحت سے تحریر کیا ہے کہ عربوں کے یہاں اسلام کی آمد سے قبل لکھنے پڑھنے کا رواج موجود تھا اور عرب عیسائیوں کے یہاں کتب خانے بھی موجود تھے۔ اس نے اپنی کتاب میں ایک تحریر نقل کی ہے جو امرء القیس کی قبر پر کندہ تھی۔ اسی طرح دولتِ 'حمورابی' ایک نہایت ترقی یافتہ عربی مملکت تھی، جس میں لکھنا پڑھنا عام تھا۔ ۷؎ اس کا ذکر بھی افادیت سے خالی نہ ہوگا کہ نزولِ قرآن کے بعد اس کے مختلف پہلوؤں پر صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام نے اپنے خیالات قلم بند کیے۔ ۸؎ اس سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سلسلہ دورِ جاہلیت سے چلا آرہا تھا۔ ظاہر ہے کہ فن کتابت کا دو ایک روز میں وجود میں آجانا ممکن نہیں، بلکہ یہ ایک تسلسل اور طویل عرصہ کا متقاضی ہے۔

اس کتاب میں گولڈزیہر کے توسّط سے یہ نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے کہ دورِ جاہلی کی شاعری میں تنوّع بہت کم تھا۔ ۹؎ اس خیال سے محققین کا متفق ہونا بہت مشکل ہوگا۔ اس دور کی شاعری کو فکری اور فلسفیانہ شاعری تو شاید نہ کہا جائے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں بوقلمونی اور تنوّع تھا۔ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ مختلف جنگوں کی نہایت خوب صورت تصویر کشی کی گئی ہے، اپنے قبائل، بہادروں، سرداروں اور محبوباؤں کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان ایک کردیے گئے ہیں، جنگی اسلحہ کی خصوصیات، گھوڑوں، اونٹوں اور ہاتھیوں کے عادات واطوار کا بہترین نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان کی شاعری میں اصنام پرستی، تناسخ اور توحید سے متعلق بھی کافی اشعار ملتے ہیں، ۱۰؎ عیسائیت سے متعلق مواد بھی عربوں کی شاعری میں دست یاب ہے، اسی طرح یہودیت سے متعلق اشعار بھی کثرت سے موجود ہیں، ۱۱؎ اس میں اپنے مخالفین پر خاصی کڑی تنقید کی گئی ہے، اس سے ان کی معیشت، ترجیحات اور تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے

علاوہ بے شمار موضوعات ہیں، جو جاہلی شعراء کے اظہارِ خیال کا میدان تھے۔ مذکورہ تمام پہلوؤں کو مدِّنظر رکھا جائے تو یہ کہنا شاید مناسب نہ ہو کہ جاہلی شاعری کے موضوعات نہایت محدود تھے۔

پروفیسر عبدالعلیم نے اس کتاب میں ترتیبِ قرآن کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ یہ ایک ایسا نازک مسئلہ ہے جس کی نزاکت کو قرآنی لٹریچر میں عموماً ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس مسئلے کی صحیح تشخیص مستشرقین اور خود متعدد مسلم محققین کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ اس کتاب میں بھی قران کریم کی جمع وترتیب کے باب میں صحیح نقطۂ نظر نہیں پیش کیا گیا ہے، مثلاً تحریر کیا گیا ہے:

> ''رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد فوراً ہی قرآن کی جمع وترتیب کا کام شروع ہوگیا اور ایک مجموعہ تیار بھی ہوگیا تھا، لیکن یہ کام خلیفۂ ثالث عثمانؓ کے عہد میں جا کر کہیں مکمل ہوا''۔ ۱۲؎

پروفیسر عبدالعلیم نے بجا طور پر کہا ہے کہ قرآن کریم پورا کا پورا آں حضور ﷺ کے عہد میں مرتّب ہو چکا تھا۔ اس نقطۂ نظر کی تائید صحیح بخاری کی ایک روایت ہوتی ہے جس میں 'اسطوانۃ المصحف' کا لفظ آیا ہے۔ ۱۳؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ جو کتابت کرواتے وہ ایک مصحف میں ترتیب سے رکھواتے تھے۔ ابتداء میں یہ مصحف مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس رکھا رہتا تھا۔ اسی وجہ سے اس ستون کا نام ہی 'اسطوانۃ مصحف' پڑ گیا تھا۔

مولانا فراہیؒ نے إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ] بلاشبہ ہماری ذمہ داری قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھنا ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو اس کے بعد تم اسے سنایا کرو[کی تفسیر کرتے ہوئے 'نظام القرآن' میں نہایت مدلل گفتگو کی ہے کہ تمام تر قرآن عہدِ رسول میں ترتیب پا چکا تھا۔ قرآن کی ترتیب دراصل توقیفی اور آسمانی ہے۔ ۱۴؎ اس لیے ترتیبِ قرآن کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی تکمیل خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوئی، مناسب نہیں ہے۔ ترتیبِ قرآن سے متعلق عربی، اردو اور انگریزی میں بے شمار تصانیف موجود ہیں۔ اس موضوع پر سب سے جامع کتاب

علامہ عبداللطیف رحمانی کی 'تاریخ القرآن' ہے، جس میں عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ پورا کا پورا قرآن عہدِ رسالت میں ترتیب دیا جاچکا تھا۔ ۱۵؎ تاریخ القرآن کی جامعیت کے پیش نظر پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے اسے انگریزی میں منتقل کیا ہے۔ ۱۶؎ یہ وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی نے انگریزی میں " The History of Quranic Text : From Revelation to Completation" (Leicester U.K. Islamic Academy 2003) کے عنوان سے ترتیبِ قرآن پر وقیع بحث کی ہے۔ ۱۷؎ یہاں یہ بھی صراحت ضروری ہے کہ تلمیذِ مولانا امین احسن اصلاحی جناب خالد مسعود نے اپنی معروف کتاب 'حیاتِ رسول امی' میں تفصیل سے بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم آں حضور ﷺ کے عہد میں مرتب ہوچکا تھا۔ انھوں نے اس کی تردید کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو کسی طرح بھی جامع القرآن کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ ۱۸؎

اس کتاب میں نظم قران پر مختلف حیثیتوں سے گفتگو کی گئی ہے۔ بہت سے علماء محققین کا خیال ہے کہ اعجازِ قرآن کا سارا انحصار نظمِ قران پر ہے۔ اس ضمن میں نظمِ قرآن سے متعلق جاحظ کی کتاب کا ذکر کیا گیا ہے، جو نایاب ہے، لیکن اس کے کچھ اقتباسات مختلف مصادر میں دست یاب ہیں۔ ۱۹؎

اس کتاب میں نظم قرآن کی اہمیت وافادیت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ باقلانی کے حوالے سے بتایا گیا ہے:

> "قرآن کے نظم کی خوبی اور تالیف کا حسن، باوجود مضامین کے اختلاف کے، کبھی کم نہیں ہوتا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ قرآن میں قصص بھی ہیں اور مواعظ بھی، دلائل بھی ہیں اور احکام بھی، وعدہ بھی ہے اور وعید بھی، اوصاف کا بیان بھی ہے اور تعلیمِ اخلاق بھی، لیکن ہر صنف میں فصاحت و بلاغت کا وہی عالم ہے۔ بخلاف اس کے بہترین شاعر اور خطیب کے کلام میں بھی مضمون کی

تبدیلی کے ساتھ ساتھ بیان کی خوبی میں کمی ہو جاتی ہے اور ایک شخص صرف
ایک ہی صنف میں کمال رکھتا ہے"۔ ۲۰؎

اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ نظمِ قرآن پر نہایت معرکہ آرا بحث کی گئی ہے، لیکن بہت سی بنیادی چیزوں سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً امام زرکشیؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے نظم سے متعلق افکار کو زیر بحث لانا از حد ضروری تھا۔ ۲۱؎

اس کتاب کا ایک ذیلی عنوان 'علم المعانی والبیان اور عقیدۂ اعجاز القرآن' ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"یہ امر تو مسلّم ہے کہ عربی علم معانی و بیان بہت کچھ قرآن پر مبنی ہے۔ لیکن
ابھی تک غالباً اس حقیقت کو کسی نے واضح نہیں کیا ہے کہ اس علم کی ترتیب اور
تدوین کا باعث عقیدۂ اعجاز قرآن ہی ہے"۔ ۲۲؎

ان کلمات سے متبادر ہے کہ پروفیسر عبدالعلیم کا یہ خیال ہے کہ قرآن کریم کی روشنی میں علم المعانی والبیان کو کسی شخص نے اب تک مرتّب نہیں کیا۔ دنیائے اسلام میں صرف مولانا فراہیؒ کی شخصیت ایسی ہے جس نے اس موضوع پر نہایت مستند گفتگو کی ہے۔ آپ کی کتاب کا نام 'جمہر ۃ البلاغۃ' ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا خیال تھا کہ اسے دنیائے عرب کے سامنے پہنچایا جائے، تاکہ اس قابل قدر کتاب سے عرب استفادہ کر سکیں۔ اس کتاب میں علم بلاغت کے بانی ارسطو پر تنقید کی گئی ہے اور قرآنی بلاغت کو اصل مقام دیا گیا ہے۔ ۲۳؎ یہی وجہ ہے کہ جرجانی نے معانی و بیان کی ترتیب کو قرآن کریم کی دین قرار دیا ہے۔ ۲۴؎ مولانا فراہیؒ کی اس کتاب پر پروفیسر محمد راشد ندوی نے ایک وقیع مقالہ سپرد قرطاس کیا ہے۔ ۲۵؎

اس کتاب میں اعجاز قرآن کے بارے میں مختلف خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک نظم قرآنی معجزہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کے افکار معجزہ ہیں۔ اسی خیال کے مؤید علامہ شبلی نعمانی اور ان کے شاگرد مولانا عبدالسلام ندوی تھے۔ اپنے استاد کے خیال کو مستند و معتبر بنانے کے لیے مولانا عبدالسلام ندوی نے ایک مقالہ

دو قسطوں میں ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ میں تحریر کیا۔ اس مقالہ میں انھوں نے ایسے دلائل پیش کیے جن کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ قرآن کریم کا اصل اعجاز اس کے معانی ومفاہیم میں پوشیدہ ہے۔ اس میں ایسی معنوی تاثیر اور سحر ہے کہ ہر شخص اس کا اسیر ہو جائے۔ شرط صرف یہ ہے کہ خالی الذہن ہو کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔

اس کتاب میں مفردات القرآن سے بھی بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں باقلانی کے حوالے سے بتایا گیا ہے:

> ''کسی کلام کی فصاحت وفضیلت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس میں سے کوئی لفظ لے کر کسی دوسرے کے کلام میں استعمال کیا جائے اور وہ لفظ ذہن کو اپنی طرف کھینچ لے۔ یہ خوبی قرآن میں بہ درجۂ اتمّ موجود ہے۔ قرآن کا کوئی خصوصی لفظ، کسی جملے یا شعر میں اسی طرح چمکتا ہے جیسے کہ معمولی ہار میں یاقوت یا موتی''۔۲۶؎

پروفیسر عبدالعلیم نے یہ بھی توضیح کی ہے کہ قران کریم میں معجزہ کے لیے 'آیۃ' اور 'برہان' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔۲۷؎ مولانا فراہیؒ نے اس زاویہ سے نہایت عالمانہ گفتگو کی ہے۔۲۸؎ لیکن ان کے خیال میں معجزہ کے لیے صرف لفظ 'آیت' آیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' میں مختلف مقامات پر اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> ''آیات بینات'' سے مراد ہیں وہ کھلے کھلے معجزات جو بنی اسرائیل کو دیے گئے۔ ان کا حوالہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ ایمان وہدایت کا راستہ ان لوگوں پر کھلتا ہے جو عقل اور سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ جو عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے وہ دنیا جہان کے معجزے دیکھ کر بھی بدستور اپنے تذبذب اور اپنی بے اعتمادی میں پڑے رہتے ہیں''۔۲۹؎

خلاصہ یہ کہ اعجاز قرآن کی تاریخ پر یہ ایک عمدہ تصنیف ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں اس پہلو کو اٹھایا ہے کہ اعجازِ قرآن کی ابتدا کیسے ہوئی؟ قرآن کریم کے فکری ولسانی اعجاز کو بہ طور چیلنج کیسے لیا گیا؟ مخالفینِ قرآن اور معارضینِ نبوت

نے اسے کس طرح برتا؟ اور کس طرح بہت سے عربوں اور مدّعیانِ نبوت نے اپنے خیالات پیش کیے؟ لیکن قرآن کریم کی فصاحت کا مقابلہ کرنے سے شکستگی اور عجز سے دوچار ہوئے اور یوں مدّعیانِ نبوت کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔

اس کتاب میں عقیدۂ اعجاز قرآن کی نشوونما کے باب میں مختلف مصادر اور متعدد تفاسیر کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس موضوع پر معتزلہ کے خیالات کو بھی موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ لفظ 'اعجاز' کا مفہوم کیا ہے؟ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اعجازِ قرآن سے متعلق بہت سی تصانیف کے عناوین تحریر کیے گئے ہیں، جو طالبانِ قرآنیات کے لیے حددرجہ مفید ہیں۔ یہ طرز در اصل علامہ شبلی نعمانی سے ماخوذ ہے۔ علامہ نے اپنی تصانیف میں 'فرہنگِ مراجع' رقم کیا ہے، جو ان کے برسہابرس کے مطالعے کا نچوڑ ہے۔ یہ تحقیق بھی اس بات کی غمّاز ہے کہ پروفیسر عبدالعلیم نے اس موضوع کو نہایت سنجیدگی سے لیتے ہوئے تفکر و تدبر کے کتنے زینے طے کیے۔ اس کتاب کی ترتیب و تحقیق اور مستعمل مصادر سے مترشح ہے کہ پروفیسر موصوف نے نہایت عرق ریزی کے بعد یہ مقالہ ترتیب دیا ہے۔

یہ پہلو بھی لائقِ ستائش ہے کہ علم المعانی درحقیقت اعجازِ قرآن کی دین ہے، اس موضوع پر موجود مواد کی طرف بھی اس کتاب میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اعجازِ قرآن کے باب میں مختلف مکاتبِ فکر منظر عام پر آئے، ان کا بھی پروفیسر موصوف نے جائزہ لیا ہے۔ مقالہ کے اختتام پر منکرینِ اعجاز اور معاندینِ قرآن کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں ابن مقّفع کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اسلام کے خلاف ایک کتاب تحریر کی تھی، لیکن اس پر یہ الزام بے بنیاد ہے۔ ۳۰؎

آخر میں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تاریخ عقیدۂ اعجازِ قرآن پر لکھتے ہوئے مستشرقین کے لٹریچر سے استفادہ تحقیقی رو سے مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اعجازِ قرآن کا تعلّق جس زمانے سے ہے اس وقت استشراق کا وجود نہیں تھا۔ اس کتاب میں بہت سے موضوعات پر استدلال کے لیے استشراق سے مدد لی گئی ہے

، جو تحقیق کے منافی ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ایک علیٰحدہ باب میں اعجازِ قرآن سے متعلق مستشرقین کی خدمات کا جائزہ لیا جائے۔

حواشی و مراجع

۱۔ عقیدۂ اعجاز قرآن کی تاریخ (مقدمہ از سید عابد حسین)، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، (بدون تاریخ)، ص: ۴

۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: اعجاز القرآن، الباقلانی (شرح و تعلیق: محمد عبد المنعم الخفاجی)، مکتبۃ ومطبعۃ محمد علی صبیح واولادہ، مصر، ۱۳۷۰ / ۱۹۵۱ء، طبع اول، ص ۴۱۔ ۵۹

۳۔ حوالہ سابق، ص ۴۹

۴۔ حوالہ سابق، ص ۵۰

۵۔ حوالہ سابق، ص ۶

۶۔ سہ ماہی 'فکر ونظر' اسلام آباد،

۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، جرجی زیدان، مطبعۃ الہلال، القاہرۃ، ۱۹۳۱ء/ ۱۹۵۷ء، جلد ۱، ص ۱۷۔ ۱۸

۸۔ حوالہ سابق، ص ۱۹

۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین سیوطی، (مترجم: مولانا محمد حلیم انصاری، تصحیح وتدوین: مولانا محمد عبد الحلیم چشتی،) جلد ۱، ص ۲۶۔ ۲۸، نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت وکتب، آرام باغ، کراچی (بدون تاریخ) جلد ۱، ص ۵۴۔ ۶۰

۱۰۔ عقیدۂ اعجاز قرآن کی تاریخ، ص ۶

۱۱۔ جاہلی شعراء نے اللہ کی مختلف قرآنی صفات کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (نقوش، قرآن نمبر، ادارہ فروغ اردو لاہور، جلد چہارم، شمارہ نمبر ۱۴۶، ۲۰۰۱ء، ص ۵۹۵۔ ۶۵۸)

۱۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: Religious Trend in pre-Islamic Arabic Poetry, Hafiz Ghulam Mustafa, Aligarh Muslim University, Aligarh, 1986, pp.1-125

ڈاکٹر محمد اجمل نے شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ سے ڈاکٹر عرفات ظفر کی زیر نگرانی **النواحي الثقافية و الاجتماعية في الشعر العربي الجاهلي** کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ اس مقالہ میں دورِ جاہلی کی شاعری کو بنیاد بناتے ہوئے عربوں کی مختلف ثقافتی، ادبی، معاشرتی اور جنگی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں ان کی فسق وفجور سے متعلق عادات کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ کتاب 'شعراء النصرانیۃ' میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جن میں عیسائیت کی جھلک موجود ہے۔) وضاحت کے لیے دیکھیے: شعراء النصرانیہ (جمعہ ووقف علی طبعہ و تصحیحہ الاب لویس شیخو الیسوعی، الجزء الاول فی شعراء الجاہلیۃ، مطبعۃ الآباء المرسلین الیسوعین فی بیروت، ۱۸۹۰ء۔

۱۲۔ عقیدۂ اعجاز قرآن کی تاریخ، ص ۱۴

۱۳۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، ابواب سترۃ المصلی، باب الصلوٰۃ الی الاسطوانۃ، حدیث نمبر ۵۰۲

۱۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القران، عبد الحمید الفراہی، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۲۔ ۱۱۳

۱۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تاریخ القرآن، عبد اللطیف رحمانی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی، دہلی، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، ص: ۷۵۔ ۷۷

۱۶۔ دیکھیے: مجاہدِ علم وعمل: پروفیسر عبد الرحیم قدوائی (مرتب: فاروق ارگلی)، فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ، دہلی، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵)

۱۷۔ حوالہ سابق، ص: ۱۱۷۔ ۱۱۸

۱۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: حیاتِ رسول امی، خالد مسعود (تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی) قرآن وسنت اکیڈمی، دہلی، طبع اول، مارچ ۲۰۰۴ء، ص: ۵۳۶۔ ۵۳۷۔

۱۹۔ ملاحظہ کیجیے مقالہ: نظم القرآن: جاحظ کی ایک غیر معروف تصنیف کا تعارف، سکندر علی اصلاحی، مجلہ علوم القرآن، علی گڑھ، جلد ۹، شمارہ ۱۔ ۲، جنوری، دسمبر ۱۹۹۴ء، ص ۵۵۔ ۷۰

۲۰۔ اعجاز القرآن، الباقلانی، ص ۱۴

۲۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: نظم قرآن: ایک تعارف (بدون مرتب)، مرتب: مولانا بدر الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۹۴ء۔ اس میں امام